اتر پردیش اردو اکادمی

سہ ماہی

اکادمی مجلّہ

جلد نمبر ۱۸ اپریل تا جون ۲۰۲۱ء شمارہ نمبر ۴

ایڈیٹر : ایس۔ رضوان (سکریٹری)

معاون : محمد معاذ اختر احسن (سپرنٹنڈنٹ)

urduakademi@yahoo.in

www.upurduakademi.org

ایس۔ رضوان، ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے میسرس امپریشن پرنٹ ہاؤس، لاٹوش روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر اکادمی کے دفتر واقع وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ-226010 سے شائع کیا۔

Scanned with CamScanner

ترتیب

اداریہ		۳
اردوناول کی تکنیک: ایک جائزہ	ڈاکٹر منور حسن کمال	۵
اردوشاعری میں کربلا کا تصور	ڈاکٹر صالحہ صدیقی	۱۴
کلیم عاجز کا شیوۂ گفتار	ڈاکٹر عمیر منظر	۲۸
سید نواب افسر: ایک منفرد شاعر	وقار ناصری	۳۵
راجستھان میں اردوادب کی غالب آواز...	ڈاکٹر عابد حسین حیدری	۴۴
پیغام آفاقی کے افسانوں کا موضوعاتی مطالعہ	محمد الیاس انصاری	۵۶

رسالے کے مندرجات سے اتر پردیش اردو اکادمی کا بہر صورت متفق ہونا ضروری نہیں۔

زر سالانہ : پچاس روپے -/50

قیمت فی شمارہ : پندرہ روپے -/15

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

سکریٹری

اتر پردیش اردو اکادمی

وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ۔ 226010

فون نمبر 0522-2720683

Scanned with CamScanner

عابد حسین حیدری
پرنسپل ایم.جی.ایم پوسٹ گریجویٹ کالج، سنبھل
Mob.9411097150

راجستھان میں اردو ادب کی غالب آواز
دیوان جانی بہاری لال راضیؔ

ہندوستانی ادبیات کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جہاں امیر خسرو، رحیم اور ملک محمد جائسی جیسے مسلمانوں نے ہندی زبان کی خدمت کی وہیں پنڈت دیاشنکر نسیم، رتن ناتھ سرشار، پنڈت برج نرائن چکبست، فراق گورکھپوری اور منشی پریم چند جیسے ہندوؤں نے اردو زبان وادب کے گیسو سنوار کر نہ صرف گنگا جمنی تہذیب کو جنم دیا بلکہ اپنی نگارشات سے یہ ثابت کیا کہ اردو زبان وادب کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں بلکہ ہر ہندوستانی سے ہے اور اس زبان کے عاشق صرف مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی ہیں۔ڈاکٹر ای۔اے حیدری نے لکھا ہے کہ:

> ''مسلمانوں کے دوش بدوش ہندوؤں نے بھی اردو زبان وادب کے فروغ میں حصہ لیا۔فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں نہال چند لاہوری اور بینی نرائن جہاں نے قصہ تاج الملوک اور گل بکاؤلی کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا......۔دہلی کالج میں ماسٹر رام چندر اور پیارے لال نے اردو نثر کو علمی زبان بنانے کی روش کو فروغ دینے میں کارنمایاں انجام دیئے تو پنڈت رتن ناتھ سرشار نے فسانۂ آزاد لکھ کر لکھنؤ کی زوال آمادہ تہذیب کی مرقع

Scanned with CamScanner

نگاری کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مسلم طرز معاشرت سے اپنی مکمل واقفیت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے اردو میں ناول کے فن کو استحکام بخشا۔''

(آزادی کے بعد اردو شاعری کے ارتقا میں غیر مسلم شعرا کا حصہ: ڈاکٹر ای۔اے حیدری، ایم آر پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۰)

ڈاکٹر ای۔اے حیدری نے مزید لکھا ہے کہ ''پنڈت دیا شنکر نسیم نے مثنوی گلزار نسیم لکھ کر شعری محاسن سے اپنی مکمل واقفیت و مہارت کا ثبوت بہم پہنچایا تو پنڈت برج نرائن چکبست نے ہندو دیو مالا اور اساطیر سے اردو زبان و ادب کے ذخیرے کو مالا مال کرنے کے ساتھ ساتھ حب الوطنی کے جذبے کو بیدار کرنے کا اہم کارنامہ انجام دیا۔'' اردو کے اس گنگا جمنی ادب کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اردو کا یہ مواد کسی ایک خطے یا علاقے پر منحصر نہیں ہے بلکہ کشمیر سے کنیا کماری اور جنوب سے شمال تک ہر علاقے میں اس کی آبیاری کی گئی ہے۔

ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے اپنی تحقیق ''راجستھان میں اردو زبان و ادب ۱۸۵۷ء تک'' میں علاقۂ راجستھان کی علمی فتوحات سے کماحقہ واقف کرانے کی کوشش کی ہے اور مختلف ریاستوں اور رجواڑوں سے متعلق شعراء و ادباء پر بھی خاطر خواہ کام کیا ہے۔ موصوف نے مذکورہ کتاب میں ''غیر مسلم شعرا و مصنفین بھرت پور'' کے تحت غالب کے شاگرد دیوان جانی بہاری لال راضی کا ذکر کیا ہے، جن کی علمیت اور معرکۃ الآرا تصانیف کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ راضی کا ذکر منشی جوالا پرشاد (مصنف وقائع، راجپوتانہ) دیبی پرشاد بشاش جودھپوری (آثار الشعرائے ہنود) خواجہ عشرت لکھنوی (ہندو شعرا)، مالک رام (تلامذۂ غالب)، ویریندر پرشاد سکسینہ (ہماری زبان بابت ۲۲ر ستمبر ۱۹۶۱ء) اور سلیم جعفر (زمانہ کانپور بابت ستمبر ۱۹۳۷ء، ص: ۱۸۳) نے کیا ہے اور مذکورہ ادبی شخصیات نے راضی کی ادیبانہ شخصیت کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ شاہد احمد جمالی نے ''خم خانۂ جاوید میں راجستھان کے شعراء'' میں لکھا ہے کہ ''ان کی زود گوئی اور پُر گوئی قابل تعریف تھی۔ اکثر زمینوں میں چو غزلہ کہتے تھے۔ حکام کی تعریف میں قصائد بھی اچھے اچھے کہے ہیں جن سے ان کی قابلیت مسلم

Scanned with CamScanner

ہے۔ اخلاقی مضامین نظم کرنے کا شوق تھا۔'' (خم خانۂ جاوید میں راجستھان کے شعراء: مرتب شاہد احمد جمالی، ناشر راجپوتانہ اردو ریسرچ اکیڈمی جے پور، ص:۵۹) اس کے علاوہ شاہد احمد جمالی نے اپنی کتاب ''غالب اور راجستھان'' میں راضیؔ کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی معلومات لالہ سری رام، سلیم جعفر، مالک رام اور ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی سے آگے بڑھتی دکھائی نہیں دیتی۔ انھوں نے مذکورہ محققین اور تذکرہ نویسوں کے علاوہ کالی داس گپتا رضا، عرش ملسیانی اور رام لعل نابھوی کا بھی ذکر کیا ہے۔ جن کی تحقیق سوانحی حد تک محدود ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی تصنیفات کے بارے میں تفصیلی ذکر ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے کیا ہے۔ موصوف کے مطابق راضی کی (۱) گاڈ خدا (۲) دستور تحریری (۳) تصریف، زبان فارسی وانگریزی (۴) دیوان راضی (۵) ارژنگ راضی (۶) نگار راضی (۷) یادگار راضی (۸) دل آرام راضی ان کی نظر سے گزری ہے۔

ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی کی تحقیق کے مطابق ''یادگار راضی'' راضیؔ کی پہلی تصنیف ہے لیکن اس کی طباعت ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء میں مطبع مفید عام آگرہ سے ہوئی۔ لیکن اس کے سنہ تالیف کے حوالے سے عثمانی صاحب نے راضیؔ کے قطعہ تاریخ کے آخری دو مصرعوں کو سند قرار دیا ہے جن کے دونوں مصرعوں سے ۱۲۴۷ھ برآمد ہوتا ہے۔

نسبۂ یادگار راضی ہے	قسمۂ یادگار راضی ہے
۱۲۴۷ھ	۱۲۴۷ھ

موصوف نے اس پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اس میں صرف لفظ یادگار راضی سے دونوں جگہ سنہ نکالا ہے جو ۱۸۳۶ء سے مطابق ہوتا ہے۔ راضی کا سنہ ولادت ۱۸۱۰ء سے ۱۸۱۵ء کے درمیان بتایا جاتا ہے جواب تک تحقیق سمجھا گیا ہے۔ اس طرح ۲۱ سے ۲۶ سال کی عمر تک میں ایسی کتاب مرتب کرنا تعجب خیز ضرور ہے جبکہ اس زمانے میں وہ مدرس تھے۔'' (راجستھان میں اردو زبان و ادب ۱۸۵۷ تک، ڈاکٹر

Scanned with CamScanner

ابوالفیض عثمانی، ص: ۱۹۰)

ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے لکھا ہے کہ:

''اس سے ایسا خیال ہوتا ہے کہ اس زمانے میں کوئی معمولی رسالہ قواعد عربی کا مرتب کیا اور پھر اس کو بہت سے اضافوں کے ساتھ ضخیم کتاب میں منتقل کر کے ۱۸۷۸ء میں جب کہ راضی کی عمر ۶۸ یا زیادہ سے زیادہ ۷۳ برس کی ہوگی اس کی طباعت کی نوبت آئی۔'' (راجستھان میں اردو زبان و ادب ۱۸۵۷ تک، ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی، ص: ۱۹۱-۱۹۰)

یہاں پر ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے یادگار راضی کے تعلق سے ایک غیر جانبدار محقق ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے انھوں نے مزید تحریر کیا کہ ''یادگار راضؔی سے پہلے کی طبع شدہ تصانیف میں اس کا ذکر نہ ہونا بھی اس دعوے کی دلیل ہے۔'' بہرحال راضؔی نے مذکورہ تالیف میں عربی قواعد کو نہایت عام فہم و آسان اردو میں بیان کیا ہے۔ یہ کتاب علم صرف سے متعلق ہے۔ راضؔی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے علم نحو میں بھی ایک کتاب مرتب کی تھی لیکن علم نحو سے متعلق کسی کتاب کا ذکر راجستھانی محققین نے نہیں کیا ہے۔ راضی کا خیال ہے کہ ''عربی زبان کے قواعد ایسے جمع کرنا چاہتا ہوں جو مبتدیوں کو عربی سیکھنا آسان کریں اور منتہیوں کو حل مشکلات میں کام آئیں۔''

یادگار راضی میں راضؔی نے فہرست ابواب وفصول سے قبل ۸؍اشعار پر مشتمل عربی نظم پیش کی ہے اور اس نظم کے ذریعہ عربی زبان و ادب اور نحو و صرف پر اپنی گرفت کا ثبوت فراہم کیا ہے، جس کا مطلع ہے۔

یَـا صَـارِفـاً هِـمَّتَـهُ فِی الطَّلَبْ   لَـمَّـا بِـهٖ یُعْـرَفُ فَنَّ الْاَدب

متذکرہ نظم کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ راضی کو اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں کو نظم کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔

(۱) اے اپنی قوت و ہمت کو اس چیز کی جستجو میں صرف کرنے والے جس کی وجہ سے

Scanned with CamScanner

ادب کا فن پہچانا جاتا ہے۔

(۲) اے صاحبان خرد جو کچھ لسان عرب سے اس میں جمع کیا گیا ہے وہ آپ کے لیے کافی ہوگا۔

(۳) اس میں ان علوم کا ذکر کیا گیا ہے جس سے جستجو کرنے والے کامیاب ہوتے ہیں۔

(۴) یہ وہ کتاب ہے جس کا ہر باغ (باب) قابل تعجب ہے جس میں ناظرین کو خوشی وطرب حاصل ہوتا ہے۔

(۵) اس کا پھل پکا ہوا ہے ہر اس شخص کے لیے جو اس پھل کو توڑتا ہے۔

(٦) علم صرف کی تمام باریکیوں کو اس قناعت پسند انتخاب کرنے والے نے جمع کیا ہے۔

(۷) اے طالبان علوم تمہارے لیے مبارکباد، یہ کتاب کامیابی کی کتاب ہے۔

(۸) میں نے اپنی قوت بھر اسے جمع کیا ہے۔ تم سے دعاؤں کا طلب گار ہوں اور میرے حق میں تمہارے اوپر دعا کرنا ضروری اور لازم ہے۔

درج بالا نظم کے ترجمے سے معلوم ہوتا ہے کہ راضؔی کو اپنی اس تصنیف پر بڑا ناز تھا وہ اپنے قارئین سے بہت زیادہ پُر امید نظر آتے ہیں کہ قارئین اس کتاب سے استفادہ کر کے عربی زبان کی قواعد سے کماحقہ واقفیت حاصل کر لیں گے۔

یادگار راضی کے علاوہ دیوان راضی پر مالک رام اور سلیم جعفر نے مثبت رائے پیش کی ہے۔ سلیم جعفر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ مولانا آزاد کی نظم جدید کی تحریک سے متاثر تھے۔ انھوں نے راضی کی قصیدہ نگاری کے تعلق سے لکھا:

> ''لیکن وہ اصحاب جو پروفیسر آزاد کی طرح اس ابر سیاہ کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں ان کو ضرور داد دینی چاہیے کہ دور اغراق وغلو میں ایک ایسا زبردست عالم وفاضل بھی تھا جو شاہراہ عام سے ہٹ کر اور شرائط معقولیت کی پابندی

Scanned with CamScanner

کر کے قصیدہ لکھ سکتا ہے۔"

(ماہنامہ زمانہ کانپور، بابت ستمبر ۱۹۲۷ء، ص: ۱۵۸)

راضی کے قصائد جہاں اغراق وغلو سے پرے متوازن لب ولہجہ اختیار کیے ہوئے ہیں وہیں گنگا جمنی تہذیب کی اپنی مثال آپ ہیں۔ انھوں نے مہاراجہ جسونت سنگھ والی بھرت پور کی شان میں جو قصیدہ لکھا ہے اس کی مدح کے اشعار ملاحظہ فرمائیں اور راضی کے حسن نظم کی داد دیں۔

نوجوانی میں بھی بفضل خدا
رکھتے ہیں پیروں کی سی عقل رسا
بہتریں رائے دیتے ہیں ایسی
چاہیے دینی وقت پر جیسی
ہوشمندی سخن سے پیدا ہے
ہوشمندوں کی ہوش افزا ہے

مالک رام نے بھی تلامذۂ غالب میں ان کی استعداد کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"نظم ونثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی اور بسیار نویس وزود نویس تھے...... کچھ مدت راجپوتانہ گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہے۔ اپنی سوانح "حسب حال" کے عنوان سے لکھی تھی، لیکن یہ کہیں نظر سے نہیں گزری۔ سنسکرت صرف ونحو سے متعلق چارلس ولکنسن اور میکس مولر اور مونیر ولیمز کی انگریزی کتابوں کے ترجمے بھی کیے تھے۔"

(تلامذۂ غالب، مالک رام، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۸۸)

مالک رام نے لکھا ہے کہ "اخلاقی مضامین سے زیادہ شغف تھا۔" غزلوں میں زیادہ تر یہی رنگ نظر آتا ہے لیکن کہیں کہیں مبتذل مضامین بھی در آئے ہیں۔ بطور مثال چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دل بھی دشمن ہوا اس دشمن جاں کی خاطر
ہم جسے سمجھے تھے اپنا، وہ بھی اپنا نہ ہوا

چھپاتی ہے بدی سیرت کی، صورت
مکاں سے عیب چھپتا ہے، مکیں کا
تو چاہ، نہ چاہ مجھ کو، میں تو
جی جان سے تجھ کو چاہتا ہوں
پست ہمت روتے ہیں تقدیر کو
صاحب ہمت ہمیشہ کرتے ہیں تدبیر کو
برائی سے اچھوں کو ہوتی ہے نفرت
تو اچھا ہے، پھر کیوں ترا دل برا ہے
آرام سے جاہل کی گزرتی ہے ہمیشہ
عاشق کو یہاں ایک دم آرام نہیں ہے

راضیؔ نے جہاں صرف ونحو پر کتابیں مرتب کیں اور عربی وفارسی شاعری کے ساتھ ساتھ اردو دیوان مرتب کر کے اہل ادب کے سامنے پیش کیا وہیں انھوں نے اس وقت کی اخلاقی کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ راضیؔ کے پیش کردہ مواد کی پرکھ کا ایک پہلو ترجموں میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ دنیا کے کلاسیکی ادب کی تخلیق ہر ملک اور زبان کے تقاضوں کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ باخبر مترجم اصلی فضا کی بازیافت کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ پھر بھی زبان کا فرق لہجوں کے فرق کی صورت میں بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ مترجم مثنوی ان مشکلات سے کس طرح عہدہ برآ ہوا ہے۔

راضیؔ نے گلستان، بوستاں اور انوار سہیلی کو جس وقت ترجمہ کے مرحلے سے گزار کر مثنوی کا جامہ پہنایا اس وقت ہندوستانی سماج میں بڑی حد تک یکسانیت آچکی تھی۔ سن ستاون کی جنگ آزادی میں ملک کی شکست نے جھنجھوڑا، لیکن کچھ دنوں تو قدغن اور جبر وتشدد کا دور دورہ رہا۔ سکون نایاب تھا، روزگار کم یاب، خاندان کے خاندان ہی نہیں طبقے کے طبقے الٹ گئے تھے اور منتشر و پراگندہ ہو گئے۔ نئی رو اس وقت ابھرنا شروع ہوئی جب نئی تعلیم نے ایک نئے متوسط طبقے

Scanned with CamScanner

کو جنم دیا اور زمینداروں اور رجواڑوں نے ذرا سنبھالا لیا۔ یہ دور بھی شکست وریخت کا دور تھا۔ بہر حال اس دور میں تعمیری ادب کے تنوع پر نظر جانے لگی۔ حالی اور آزاد کی نظم جدید کے شانہ بشانہ ایسا اخلاقی ادب بھی وقوع پذیر ہو رہا تھا جس نے فارسی ادب کے سہارے ہماری درسیات میں جگہ حاصل کی تھی۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کے ساتھ ساتھ بہت سے ایسے شاعروادیب تھے جو فورٹ ولیم کالج سے باضابطہ متعلق تو نہ تھے لیکن سرسید اور غالب کے اس نئے نثری رجحان سے واقف تھے جس کی راہ پکڑ کر اردو ادب میں بیش بہا ذخیرہ جمع ہونے والا تھا۔

دیوان جانی بہاری لال راضی بھی اپنے مطالعہ ومشاہدہ کی بنا پر غالب اور سرسید کی نئی روکی تحریک کے سپاہی بنے اور اپنے اخلاقی ادب سے فارسی کا وہ ذخیرہ جو درسیات کا مقبول حصہ تھا اسے اردو زبان وادب کا روپ دے دیا۔ انھوں نے اردو کے جینیس شاعر مرزا اسداللہ خاں غالب کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اور دیوان کے ساتھ ساتھ متعدد مثنویاں بھی قلمبند کیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مثنویاں طبع زاد نہیں ہیں بلکہ فارسی کی معرکتہ الآرا تصنیفات کے تراجم ہیں۔ راضی کا ہندوستانی ادبیات کا مطالعہ جہاں وسیع تھا وہیں عربی وفارسی ادب کا مطالعہ بھی عمیق تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب مثنوی ہندوستان میں فارسی کے ذریعہ آئی تو اس سے قبل ہندوستان میں داستانوں کی ایک بیحد جاندار روایت سنسکرت میں پہلے سے موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی زبان میں ہندیوں اور غیر ہندیوں نے ہندوستان آکر مثنویوں کے انبار لگا دیئے جس کا اعتراف علی جواد زیدی نے بھی کیا ہے:

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ اتباعی اور تقلیدی ہونے کے باوجود ہندوستان میں لکھی جانے والی مثنویوں کا وسیع ذخیرہ بڑی ادبی اہمیت کا حامل ہے۔''
>
> (مثنوی نگاری، علی جواد زیدی، نشاط پریس ٹانڈہ، ۱۹۸۵ء، ص: ۲۷)

راضی نے اتباعی اور تقلیدی انداز کی مثنوی اخلاقیات کی درسی کتابوں گلستان سعدی، بوستان سعدی اور انوار سہیلی ملاحسین واعظ کاشفی کو ترجمے کی شکل میں پیش کیا جس کا ذکر علی جواد زیدی نے مثنوی نگاری میں بھی کیا ہے:

Scanned with CamScanner

''نگار راضی کے نام سے گلستاں، دل آرام راضی کے نام سے بوستاں اور ارژنگ راضی کے نام سے انوار سہیلی کے ترجمے کیے۔ ان کے سالہائے تصنیف علی الترتیب ۱۲۸۶ھ، ۱۲۸۷ھ اور ۱۲۸۹ھ ہیں۔ انوار سہیلی کے ترجمے کو منظوم ہونے کا ذکر برقؔ (شیام سندر لال سیتاپوری مصنف بہارِ سخن) نے بھی کیا ہے۔ سب ترجمے بہت شگفتہ اور اصل سے قریب ہیں۔ مثلاً نگار راضی میں سعدیؔ کے اس شعر کا ترجمہ کہ:

چنان قحط افتاد اندر دمشق که یاران فراموش کردند عشق

یوں کیا ہے:

قحط ایسا دمشق میں آیا فرق یاروں کے عشق میں آیا

(مثنوی نگاری، علی جواد زیدی، ص: ۲۶۴)

نگار راضی کے تعلق سے یادگار راضی کے صفحہ ۲۸ پر ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم ممالک مغربی وشمالی نے مقام نینی تال سے ۱۵ر ستمبر ۱۸۶۹ء کو لکھا ہے کہ:

''جس دماغ سوزی سے آپ نے گلستاں کو اردو نظم کیا ہے قابل تحسین ہے۔'' اسی طرح ۷ر اگست ۱۸۷۲ء کی چٹھی میں ڈائریکٹر موصوف نے لکھا ہے کہ ''آپ کی کتاب دل آرام راضی کی رسید شکریہ کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ حضور نواب لفٹنٹ گورنر صاحب کی رائے میں آپ نے اس کتاب فارسی کا ترجمہ ہوشیاری سے کیا ہے اور آپ کی کتاب پڑھنے کے قابل ہے۔''

ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے نگار راضی کے ترجمے کو رواں اور شستہ قرار دیا ہے۔ نگار راضی تاریخی نام ہے، جس سے ۱۸۷۳ء برآمد ہوتے ہیں۔

دل آرام راضی، شیخ سعدی کی مشہور کتاب بوستاں کا منظوم ترجمہ ہے جو ۱۲۸۷ھ میں مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوا۔ ابتدا اس طرح ہے۔ گویا راضیؔ اسلامی تہذیب سے راضی ہو کر حمد کر رہے ہوں:

کیا کروں حمد خالق گیہاں   عقل ہے اس کی حمد میں حیراں
دیکھتا ہے وہ ظاہر وباطن   ایک ہے اس کو رات ہو یا دن
اپنی قدرت سے آپ ہے قادر   اپنی ندرت سے آپ ہے نادر
پہلے پیدا کیے عناصر چار   مختلف خاک و باد و آب و نار

اللہ کے وجوداوراس کے ثبوت کے گواہ درج ذیل اشعار ہیں جورواں اور شستہ بھی ہیں:

ہے عیاں ہر کہیں نہاں جیسا   ہے نہاں ہر کہیں عیاں جیسا
کچھ نہیں اس کے نور سے خالی   چاہیے چشم دیکھنے والی
گہہ بناتا ہے گہہ بگاڑتا ہے   گہہ بساتا ہے گہہ اجاڑتا ہے
واحد و لاشریک و لاثانی   اور فانی ہیں وہ ہے لافانی

درج بالا اشعار راضی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس وقت کے شعراو مصنفین کی زبان مشترکہ تہذیب کی زبان تھی۔ ہندو اس طرح شعر نظم کرتے تھے گویا وہ مسلمان ہوں اور مسلمان ہندو عقائد کے کرداروں کا اس طرح احترام کرتے تھے گویا وہ ان کے عقیدت مند ہوں۔معبود کے اوصاف، حمد خدا ونعت رسولؐ کا انداز نظم راضی کو اس مشترکہ تہذیب کا نمائندہ بنادیتی ہے جس کے لیے ہندوستان تمام عالم میں ممتاز وممیز ہے۔اسی طرح ارژنگ راضی میں راضی نے انوار سہیلی کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ طلبا کے لیے مفید ہو۔آسان اور عام فہم زبان میں یہ ترجمہ اصل سے قریب محسوس ہوتا ہے۔یہاں یہ بات بتانا ضروری ہے کہ انوار سہیلی کلیلہ و دمنہ کا دوسرا روپ ہے کلیلہ و دمنہ کے ماخذ اور اس کے مصنف کے بارے میں اکثر تاریخ نگاروں کے یہاں اختلاف رائے نظر آتا ہے لیکن سنسکرت ادبیات کے مورخین اور فارسی وعربی ادبیات کے دانشوران یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کلیلہ ودمنہ کا اصل ماخذ سنسکرت کی کتاب ''پنچ تنتر'' ہی ہے۔اس کتاب کی بنیاد نصیحت آمیز اخلاقی باتوں پر رکھی گئی ہے۔کلیلہ و دمنہ یوں تو دنیا کی بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہوئی لیکن ایرانیوں نے اس کتاب سے خصوصی دلچسپی دکھائی ہے۔متعدد شعرا وادبا نے اس کے ترجمے کیے لیکن ملا کمال الدین حسین بن علی واعظ

Scanned with CamScanner

کاشفی کے ترجمہ انوار سہیلی کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ انوار سہیلی چودہ ابواب پر مشتمل ہے اور اسے ہندوستان میں بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور تعلیمی نصاب میں بھی شامل کیا گیا اس کے نثری ترجمے بستان حکمت مترجمہ حسام الدولہ فقیر محمد خاں گویا کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ انوار سہیلی کی مقبولیت کے سبب راضی نے اس کا ترجمہ ارژنگ راضی کے نام سے مثنوی کی ہیئت میں کیا۔ سبب ترجمہ میں لکھتے ہیں:

ہیں مترجم تمام فارسی سے	صاف ہر دم دوام آرسی سے
مشتہر ہیں یہ بید پا کے طفیل	معتبر ہیں یہ بھید پا کے سہیل
لائقوں کے لیے ہیں نورنظر	شائقوں کے لیے ہیں سوزجگر
عیب پوشوں کو ہے عطا سے کار	عیب جویوں کو ہے خطا سے پیار
جو خطا پر خطا دکھاتے ہیں	سو خطا پر عطا دکھاتے ہیں
راضیا خدمت عوام ہے یہ	باضیا قسمت دوام ہے یہ

حمد کا یہ شعر:

ہے کلام اس کا برتری کا تمام	ہے تمام اس کا برتری کا کلام

ارژنگ راضی کا تاریخی نام ''بہار کلک راضی'' ہے، جس سے ۱۲۸۹ء برآمد ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے لکھا ہے کہ ''ترجمہ بڑی توجہ اور کوشش سے کیا ہے۔'' بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جب سنا سنگ پشت نے یہ تمام
تب اسی مہر سے کیا یہ کلام
تجھ سا مہماں جہاں پہ آتا ہے
لطف یزداں وہاں پہ آتا ہے

Scanned with CamScanner

نہ سعادت ہے کوئی ہم مقدار
تیری صحبت کے فیض سے زنہار
اور ایسی خوشی ہے اور کہاں
جیسی تیری محبت سے ہے عیاں
تیری شمع جمال پر مفتوں
جیسے لیلیٰ کے حال پر مجنوں
تیرے خورشید رخ پہ ذرہ وار
جاں نثاری سوا نہیں کچھ کار

درج بالا اشعار سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے بڑے سلیقے سے ترجمہ کیا ہے۔ نیز نگار راضیؔ، دل آرام راضیؔ اور ارژنگ راضیؔ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی صلاحیت کے حامل تھے اور ان کا نام راجستھان کے ادباء وشعراء ہی میں نہیں بلکہ ہندوستانی ادبیات کے شعرا وادبا میں صف اول میں جگہ پانے کا مستحق ہے اور بقول راضی چونکہ ان کا کام خدمت عوام ہے اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ راجستھان میں اردو ادب کی غالب آواز ہیں۔

●●●